[illegible]

[illegible] 1994 [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تھوڑے سے وقت میں اتنا کچھ حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے، کہ ہمیں مشکل ہی سے دوسروں کے بارے میں کچھ سوچنے کی مہلت ملتی ہے۔ تاہم اس دنیا میں ایسے لوگ ہیں جنہیں ہماری، ہماری توجہ کی اور ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ہمارے اپنے اہداف، عزائم اور مفادات آ کھڑے ہوتے ہیں، جنہیں ہم اپنے ذاتی مقاصد کی خاطر اولین ترجیح دیتے ہیں۔ کاروباری اور قومی مفادات رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ بعض مقاصد کے حصول کے لیے ہمیں بعض حقائق کو فراموش کرنا پڑتا ہے۔

یہ ہے آج کے آدمی کی ذہنیت جو گلوبل ویلج اور عالمگیریت کے دور میں رہتا ہے۔ بلاشبہ اس میں مدارج کا فرق ہے، جیسے کہ بعض لوگ جلد سیکھتے ہیں اور بعض دیر میں، لیکن پورے کرہ ارض پر رجحان یکساں ہی ہے۔ ذیل میں ہم عالمگیریت کے جاری عمل پر ان سوالوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھتے ہوئے بات کریں گے:

عالمگیریت کسے کہتے ہیں اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ اس عمل کے شرکاء کون ہیں؟ کیا یہ عمل دنیا کو بہتری کی طرف لے جا رہا ہے؟ کیا عالمی ہم آہنگی اور قربت و یکجہتی کے فروغ میں اس سے مدد ملے گی؟ کیا یہ تمام معاشروں اور ممالک کی ترقی میں معاون ثابت ہوگا؟ مثلاً کیا اس کے ذریعے غربت، بھوک، بیماری اور انسانوں کو درپیش دوسرے مصائب کو ختم کیا جا سکے گا؟ اور کیا یہ عمل آمدنیوں کے موجودہ تفاوت کو کم کرنے میں کوئی کردار ادا کر سکے گا؟

عالمگیریت اور اس کی اہمیت

فاصلوں کے سمٹنے اور تیز رفتار ذرائع مواصلات کے ذریعے افراد، ساز و سامان، سرمائے، اطلاعات اور معلومات کی نقل و حرکت کے زیادہ آسان ہوتے چلے جانے کے ساتھ ساتھ دنیا کے لوگ، معاشرے اور معیشتیں ایک دوسرے سے جڑتے چلے جا رہے ہیں۔ جغرافیائی سرحدیں اب کوئی رکاوٹ نہیں رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو متاثر کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ رہی ہے۔ عالمگیریت چونکہ سیاست، معاشیات، ٹیکنالوجی، تعلیم، ذرائع ابلاغ اور ثقافت سمیت زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، لہٰذا یہ عمل پوری انسانی زندگی کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تاہم ان سب

میں معیشت کو سب سے اہم مقام حاصل ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں پر اس کے اثرات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں جبکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ عالمگیریت کے پورے عمل کی قوت محرکہ بھی ہے۔

یہاں تک کہ اقوام متحدہ، عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) جیسے عالمی اداروں کے فیصلے، ایک مخصوص ملک اور طاقت کی جانب سے کیے جانے والے مالیاتی تعاون اور پالیسیوں پر منحصر ہوتے ہیں[۲]۔ اور معاشروں اور اقوام کے درمیان، دولت کی ریل پیل کے بغیر کسی فرد یا جماعت کے لیے قیادت کا مقام پانا اور اسے قائم رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ ٹیکنالوجی اور اس کا ارتقاء بھی، جس کا تعلق زندگی کے ہر گوشے سے ہے، دولت کی بھاری مقدار طلب کرتے ہیں۔ جبکہ اقتصادی اعتبار سے طاقتور ملکوں میں معاشی طور پر مضبوط افراد اور گروہ خود اپنے ملک کے اندر اور عالمی سطح پر فیصلہ سازی کے عمل میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں خواہ یہ فیصلے سیاسی ہوں، ان کا تعلق تنازعات اور جنگوں سے ہو یا پھر تعلیم اور صحت عامہ کی خدمات جیسے سماجی شعبوں کے بارے میں ہوں[۳]۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی عالمگیریت میں سرمایے نے ان لوگوں کو جو دولت کی بھاری مقدار رکھتے ہیں بنیادی کردار دیتے ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے ذمہ داریاں بڑھاتے ہوئے، سب سے زیادہ اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اور سرمایہ دار ہی اس عمل کے اصل فیض یافتگان ہیں۔

آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ عالمی سرمایہ کن کے ہاتھوں میں ہے۔ دنیا کی ۱۰۰ چوٹی کی معیشتوں کا جائزہ لیتے ہوئے سارہ اینڈرسن اور جان کاواناغ بتاتے ہیں کہ ان میں سے ۵۱ کثیر القومی کارپوریشنیں ہیں، جبکہ ملکی معیشتوں کی تعداد صرف ۴۹ ہے۔[۴]

اس تجزیے کی بنیاد کارپوریشنوں کی آمدنی اور ملکوں کی خام قومی پیداوار کے تقابل پر ہے۔ تجزیے کو آگے بڑھاتے ہوئے اس تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی ۲۰۰ سب سے بڑی معیشتوں میں سے ۱۴۴ کثیر القومی کارپوریشنیں ہیں۔ فی الحقیقت ۲۰۰ بڑی کارپوریشنوں کی مجموعی آمدنی، دس ملکوں کو چھوڑ کر دنیا کے تمام ممالک کی مجموعی معیشتوں سے زیادہ ہے۔

ان اعداد و شمار کا تقابل دنیا کے غریبوں سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کارپوریشنوں کے

منافع کی یہ رقم، دنیا کے ایک بلین بیس کروڑ افراد (دنیا کی کل آبادی کا ۲۴ فی صد) کی مجموعی سالانہ آمدنی سے ۱۸ گنا ہے۔

اس مطالعے میں شرح ترقی کا جائزہ بھی لیا گیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ چوٹی کی ۲۰۰ کارپوریشنوں کی فروخت میں اضافے کی شرح، مجموعی عالمی معاشی سرگرمی سے زیادہ ہے۔ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۹ء کے درمیان، ان کا منافع ۳۶۲ فی صد بڑھا جبکہ ان کی مجموعی فروخت میں عالمی خام قومی پیداوار کے ۲۵ فی صد سے ۵ء۲۷ فی صد تک کے بقدر اضافہ ہوا[۵]۔

اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے تجارت وترقی کے مطابق پوری دنیا کی عالمی تجارت کی کل مالیت یعنی سات ٹریلین ڈالر کا ۷۰ فی صد کثیر القومی کارپوریشنوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے کاروبار کان کنی، مصنوعات سازی اور توانائی سے لے کر ہر قسم کی جدید مالیاتی اور مواصلاتی خدمات [بشمول گھریلو سازوسامان] تک پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے حقیقتاً کثیر القومی ہیں[۶]۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کے چند امیر ترین ملکوں کو چھوڑ کر، کثیر القومی کارپوریشنیں دنیا کے بیشتر سرمایے کی مالک ہیں اور اسی بناء پر عالمی معیشت کی اصل کھلاڑی ہیں۔ اور چونکہ یہ کثیر القومی کارپوریشنیں اکثر دنیا کے اِن ہی امیر ترین ملکوں سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے ان کے درمیان مفادات کا کوئی بڑا تنازع نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ ملک اور ان کی کارپوریشنیں اپنے باہمی مفادات کو یقینی بناتی ہیں اور اس طرح عالمگیریت کے معاشی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی ایجنڈے کے لیے راستہ ہموار کرتی ہیں[۷]۔ جی ایٹ ملکوں کے اجلاس ایجنڈا طے کرتے ہیں جبکہ عالمی اقتصادی فورم، کثیر القومی کارپوریشنوں اور عالمی قیادت کو باہمی تعاون سے اس ایجنڈے کو عمل میں لانے کے لیے اقدامات کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس طرح موجودہ عالمگیریت کے پس پردہ کارفرما اصل قوت منڈی ہے۔ اس ضمن میں کثیر القومی اور چند قومی (Multinational and Transnational) کمپنیوں کے کردار کا جائزہ لینا ضروری ہے کیونکہ وہ منڈی کی معیشت کے اہم ترین آلات کی حیثیت رکھتی ہیں بالخصوص جبکہ عالمگیریت نے فاصلے سمیٹ دیے ہیں اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے منڈی کے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

کارپوریشنیں بہت کم ہی کثیر القومی ہوتی تھیں اور بالعموم استعماریت کی آلہ کار تھیں۔ دریافتوں کے دور اور طویل مسافتوں کے لیے جہاز رانی کے درست آلات کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان تاجروں نے بہرصورت تجارت کو توسیع دینے کا کام بھی کیا۹۔

یہ عمل جدید ذرائع و وسائل کی شمولیت کے ساتھ ساتھ ترقی پاتا گیا اور اس کی اہمیت، رفتار، وسعت اور مقدار میں بہت اضافہ ہو گیا۔

اس کے بعد صنعتی انقلاب اور نتیجتاً بڑے پیمانے پر ہونے والی پیداوار نے عالمی منڈیوں تک رسائی کی ضرورت اور مواقع پیدا کیے۔ نقل و حمل اور مواصلات کے ذرائع میں ارتقاء اور سیاسی اور معاشی آزادی کے لازمے کی حیثیت سے آزاد تجارت پر زور نے بھی کثیر القومی کارپوریشنوں کو اس عمل میں عظیم تر کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم کیے۔ بیسویں صدی کے خاتمے پر ٹیلی مواصلات، بجلی کی پیداوار، اور عالمی منڈیوں تک پہنچنے کے لیے درکار نقل و حمل کے ذرائع میں حکومتوں کی اجارہ داریوں کے باقی نہ رہنے کی بناء پر اشیاء اور خدمات کی عالمی تجارت پر کثیر القومی کارپوریشنوں کی بالادستی قائم ہو گئی۔ انسانی ذہنوں پر اثر انداز ہونے کی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ ابلاغ عامہ کے شعبے میں دیوہیکل اداروں کے قیام اور دوسری کثیر القومی کارپوریشنوں کے ساتھ باہمی مفادات کی بناء پر ان کے اشتراک نے فی الحقیقت پچھلے کچھ عرصے کے دوران صورت حال کو کئی گنا گھمبیر بنا دیا ہے۔ اے او ایل، ٹائم وارنر، ڈزنی، جنرل الیکٹرک، نیوز کارپوریشن، وایاکون، وائیوینڈی، سونی برٹلس مین، ان چوٹی کے کثیر القومی اداروں میں سے ہیں جو بلاواسطہ یا بالواسطہ دنیا کے لوگوں کے دماغوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ وہ اخبارات، جرائد اور کتابیں شائع کرتے ہیں، ٹی وی اور کیبل نیٹ ورک چلاتے ہیں، مووی اور فلمیں بناتے ہیں، آئی ٹی اور آن لائن سروسز، سٹیلائٹ نیٹ ورکس اور اسپورٹس پر کنٹرول رکھتے ہیں، ان کے اپنے تفریحی پارک ہوتے ہیں حتیٰ کہ پرچون فروشی تک کرتے ہیں۱۱۔

کثیر القومی کارپوریشنوں کے آغاز اور ارتقاء کے پیچھے کارفرما تاریخی پس منظر اور محرکات کو نگاہ میں رکھا جائے تو اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ نفع کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا کثیر القومی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بالا دست حیثیت میں موجودگی رکھتے ہیں، وہ سب کچھ حاصل کرنے کا اہتمام کر سکتے ہیں جو کثیر القومی کارپوریشنوں[۱۴] کے حق میں ہو اور اسی طرح جو کچھ ان کے مفاد میں نہ ہو اسے روک بھی سکتے ہیں، اس بات کی پروا کیے بغیر کہ دنیا کے غریبوں پر معاشی، سماجی اور ثقافتی اعتبار سے ان اقدامات کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ (ڈبلیوٹی او اور دوسرے فورمز پر) بین الاقوامی تجارت پر عائد پابندیوں کو نرم کرنے کی کوششوں کو بھی اسی حوالے سے دیکھا جانا چاہیے۔

کثیر القومی کارپوریشنوں کو اپنی میزبان حکومتوں سے ایک مختلف سطح پر ان کے ملکوں میں داخلے کی اجازت اور سہولتوں کے بارے میں بات چیت کرنا ہوتی ہے۔ لیکن یہاں بھی انہیں کسی بڑی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ کمزور معاشی انفرا اسٹرکچر اور مالی وسائل کی کمیابی سے دوچار، سرمایہ کاروں کی تلاش میں سرگرداں میزبان حکومتوں کے پاس کثیر القومی کارپوریشنوں کو آزادانہ سرگرمیوں کی اجازت دینے کے سوا کوئی متبادل راستہ مشکل ہی سے ہوتا ہے۔ کثیر القومی کارپوریشنوں کی جانب سے غیر منظور شدہ اشیاء کی پیداوار اور منظور شدہ اشیاء کی مقررہ حد سے زیادہ پیداوار، اس کے ساتھ ساتھ ان ملکوں کے درآمدی و برآمدی قوانین کی خلاف ورزیاں، ایسے معاملات ہیں جن کا عشروں پہلے سے ہوتے چلے آنا ثابت ہے[۱۵]۔ میزبان حکومتیں یکطرفہ مفادات پر مبنی قانون سازی، انفرا اسٹرکچر کے لیے سہولتوں کی فراہمی، محصولات کی ترغیبات، محنت کشوں کے استحصال، ماحولیاتی مشکلات، حتیٰ کہ مالیاتی بدعنوانیوں جیسے مسائل تک کو کثیر القومی کارپوریشنوں کی جانب سے ملک سے واپس چلے جانے کی دھمکیوں کی بناء پر نظر انداز کرتی ہیں۔ پوری دنیا میں نجکاری کی مہم کو اس تناظر میں بھی دیکھا جانا چاہیے، اس طرح یہ سوال سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ پرائیویٹائزیشن اور لبرلائزیشن کے لیے کون دھکیل رہا ہے اور نجی انتظام میں آجانے والے کاروباری اداروں کو کون خرید رہا ہے۔

پوری دنیا میں کسی بھی چیز کے مقامی تیار کنندگان کو بیرونی مسابقت کاروں کی نسبت کئی امور میں فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ تاہم کثیر القومی کارپویشنوں کو ان سے نمٹنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی، اس کے لیے یا تو وہ انہیں خرید لیتی ہیں یا انہیں اکھاڑے سے باہر کرنے کے لیے کچھ دنوں تک ایک نپا تلا

بغیر اس سب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ صرف بڑے پیمانے پر کام کرنے والی کارپوریشنیں ہی اتنی اونچی سطح پر ان ذرائع کے حصول کی متحمل ہوسکتی ہیں۔

کسی چیز کے مقامی تیار کنندگان اگرچہ کثیر القومی کارپوریشنوں کے مقابلے میں بے بس ہوسکتے ہیں، لیکن بڑی کارپوریشنیں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتی ہیں۔ یہ قضیے بالعموم اداروں کے باہم ضم ہوجانے یا مارکیٹ میں حصص کے تصفیے کے ذریعے چکائے جاتے ہیں۔ تاہم یہ عمل نئے تصورات کے فروغ اور جدت کاری کا سبب بنتا ہے اور اس کے نتیجے میں نئی ٹیکنالوجی، پیداوار کے نئے طریقوں اور بعض اوقات آخری خریدار کے لیے کم قیمت پر اشیاء کی فراہمی کی راہیں کھلتی ہیں۔ مسابقت کا عمل مختلف شعبوں میں خصوصی کثیر القومی کارپوریشنوں کے ابھرنے کا ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم کثیر القومی کارپوریشنوں کو میڈیا، آئی ٹی، نقل وحمل، بینکاری، مالیات، آٹوموبائل، ٹیلی مواصلات، گھرداری، سیاحت، ٹرانسپورٹ، ہوٹلز، دواسازی، غذائی اشیاء، ملبوسات، کاسمیٹکس، تعمیرات، آئل اینڈ گیس، قدرتی اور معدنی وسائل، مطبوعات، تقسیم کاری، حتیٰ کہ تعلیم اور صحت سمیت انسانی زندگی کے ہر دائرے میں سرگرم عمل پاتے ہیں۔

روزمرہ استعمال کی ایک ہی چیز کی متعدد برانڈز کا ایک ہی کمپنی کی جانب سے تیار کیا جانا، کثیر القومی کارپوریشنوں کی حکمت عملی کا ایک اور اہم عنصر ہے۔ فیصلہ کرنے کے لیے کئی متبادلات کی موجودگی کا یہ طریقہ جہاں انسانی نفسیات کے لیے اطمینان کا باعث بنتا ہے، وہیں اس کی وجہ سے مارکیٹ کثیر القومی کارپوریشنوں کے کنٹرول میں رہتی ہے۔ ان کارپوریشنوں کی کامیابی کا انحصار قریبی باہمی ربط ضبط اور تعاون [19] کے علاوہ فاصلوں اور رکاوٹوں کے حوالے سے دنیا کے مزید سکڑتے چلے جانے پر ہوتا ہے۔

اگر ہم اس صورت حال پر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ عالمگیریت کا عمل کثیر القومی کارپوریشنوں ہی سے شروع بھی ہوتا اور انہیں پر ختم بھی۔ بڑی کارپوریشنیں جاری معاشی عالمگیریت کی نمائندگی بھی کرتی ہیں، اس کا تحفظ بھی کرتی ہیں اور اس کے فروغ وارتقاء کے لیے سرگرم بھی رہتی

ہیں۔

اگر ہم اس صورت حال کا تصور کریں جس میں کثیر القومی کارپوریشنیں یا بڑی کارپوریشنوں کا کوئی وجود نہ ہوتو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عالمگیریت کا موجودہ عمل اپنے سب سے اہم اور بنیادی اسٹیک ہولڈر سے محروم ہو جائے گا اور اپنی اس رفتار اور اسکوپ کو بھی کھودے گا جس کا مظاہرہ وہ آج کر رہا ہے۔

میزبان معاشروں پر کثیر القومی کارپوریشنوں کے اثرات

جیسا کہ پہلے اس بارے میں بات ہو چکی ہے، کثیر القومی کارپوریشنیں انسانی ضروریات، رویوں اور معاملات کے بارے میں تحقیق اور معلومات کے لیے درکار وسائل رکھتی ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ انسانی رویوں اور طرز زندگی میں تبدیلیاں بھی لاسکتی ہیں۔ یہ کارپوریشنیں انسانیت کو درپیش مسائل پر ریسرچ کا اہتمام بھی کرسکتی ہیں اور ان سے نمٹنے کے لیے ڈیولپمنٹ، پروڈکٹس اور خدمات سمیت ان کے کثیر الجہتی حل بھی پیش کرسکتی ہیں۔ انسانی ذہنوں اور رویوں کو بدلنے کے لیے یہ کارپوریشنیں کثیر سرمایے کے ساتھ ساتھ انسانی وسائل، مہارت اور صلاحیت بھی رکھتی ہیں، اور افراد اور معاشروں کی حقیقی بہتری کے لیے کام کرسکتی ہیں۔ لیکن کیا یہ کثیر القومی کارپوریشن یہ کچھ کر رہی ہیں یا ان سے اس کردار کی ادائیگی کی توقع رکھنا درست ہوگا؟ اس موضوع پر سوچ بچار اور گفتگو بہت اہم ہے کیونکہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ عالمگیریت کے عمل کا مقصد پورے کرۂ ارض اور گلوبل ولیج یعنی زمین پر بسنے والے ہر شخص کی بہتری ہے[20]۔ جواباً یہ دعویٰ تقاضا کرتا ہے کہ حقیقی انسانی مسائل اور معاملات کا تعین کیا جائے خصوصاً ان مسائل کا جو کثیر القومی کارپوریشنوں کی میزبانی کرنے والے معاشروں کو درپیش ہیں۔ چنانچہ اب بنیادی سوال یہ بنتا ہے کہ کیا ان مسائل کو حل کرنا کثیر القومی کارپوریشنوں کے مفاد میں ہے؟ آیئے اب ہم پہلے مسائل اور میزبان معاشروں کی خصوصیات پر ایک نگاہ ڈال لیں۔

میزبان معاشروں کے مسائل اور ان کی صفات

وہ میزبان معاشرے جہاں کثیر القومی کارپوریشنیں سرگرم عمل ہیں، ان میں ان کے اپنے ملکوں

کے علاوہ بنیادی طور پر ترقی پذیر اور انتہائی کم ترقی یافتہ ممالک شامل ہیں۔ درجوں کے فرق کے ساتھ ترقی پذیر اور انتہائی کم ترقی یافتہ ملکوں کے مسائل اور معاملات ایک جیسے ہیں۔ ان تمام ملکوں کو بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی غربت، بیماریوں اور صحت کے ناقص انتظامات، ناخواندگی، تعلیمی سہولتوں کی کمی اور کمزور انفرا اسٹرکچرز، کے ساتھ ساتھ حکمرانی کے مسائل مثلاً کمزور اور بدعنوان حکومتوں، غلط ترجیحات، انصاف تک رسائی کی سہولتوں کے فقدان، اور آمدنی کی تقسیم میں عدم مساوات جیسی مشکلات کا سامنا ہے[۲۱]۔ یہاں اردن کی ملکہ رانیا العبداللہ کے خطاب کا ایک اقتباس دینا مفید ہوگا۔ ہندوستان میں ہونے والے ایک سیمینار میں انہوں نے اس کیفیت کو بڑی خوبصورتی اور اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا:

''آج ہمیں جس سب سے بڑے چیلنج کا سامنا ہے وہ امید کی خلیج ہے جو پیدائش کے ساتھ ہی لوگوں کو مستقبل رکھنے اور نہ رکھنے والوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ امید کی یہ خلیج اس وقت جنم لیتی ہے جب ہمارے نوجوانوں کو وہ سہولتیں مہیا کرنے سے انکار کیا جاتا ہے جو انہیں صحت، غذا اور اقدار کو نئی نسل تک منتقل کرنے کے لیے، ماؤں کو تعلیم دینے کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ امید کی یہ خلیج مزید وسیع ہو جاتی ہے جب اسکول کے بچوں کو کتابوں، ٹیکنالوجی، تعاون اور عالمی مواصلاتی ذرائع تک رسائی اور تربیت نہ رکھنے والے اساتذہ کے فقدان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امید کے اس خلاء سے یونیورسٹی تک پہنچ جانے والے طالب علم بھی دوچار ہوتے ہیں۔''[۲۲]

اپنی خصوصیات کے اعتبار سے، مضبوط سماجی ڈھانچے اور خاندانی نظام رکھنے والے یہ روایتی معاشرے ہیں جو رشتہ داریوں کے مضبوط بندھنوں، باہمی خبر گیری کے ماحول، بڑے خاندانوں والے سماجی تحفظ کے نظام، سادہ طرز زندگی، اور وراثت میں ملنے والی روایتی بصیرت و دانائی کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر زرعی معیشتیں ہیں، لہٰذا عام حالات میں غذائی قلت کا مسئلہ انہیں درپیش نہیں ہوتا۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ اس وقت کیا ہوتا ہے جب کثیر القومی کارپوریشنیں ان معاشروں میں

کلچر، اعلیٰ انتظام کاری اور کاروباری تعلیم کے فروغ کی راہیں کھولتا ہے اور معاشرے میں دیگر حوالوں سے بھی بہتر نظم وضبط کے قیام کا سبب بنتا ہے۔

زندگی کی آسائشوں کی فراہمی: بڑے پیمانے پر کفایت، معیار کی پابندی اور مختلف معاملات میں صحت مند مسابقت کا نتیجہ آخری صارف کے لیے قیمتوں میں کٹوتی و کمی اور دوسرے فوائد کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔ لوگوں کو زندگی کی آسائشیں بہت کم قیمت پر اور اپنے گھر کے دروازے پر مہیا ہونے لگتی ہیں[۲۳]۔

بنیادی صنعتی ڈھانچے میں بہتری: بہت سی کثیر القومی کارپوریشنیں اپنے متعلقہ شعبے کے بنیادی صنعتی ڈھانچے اور اس سے وابستہ بنیادی ضروریات کی ترقی میں معاونت کرتی ہیں[۲۴]۔ اس کے لیے وہ سول سوسائٹی کی تنظیموں کو رقوم فراہم کرتی ہیں یا جہاں وہ کام کرتی ہیں اس کے گردوپیش کے علاقوں کے رہائشی اور کاروباری حالات کو بہتر بنانے کے لیے براہ راست امداد دیتی ہیں۔ اگرچہ اکثر یہ رضا کارانہ خدمات ہوتی ہیں تاہم حکومت کی طرف سے قانون کے تحت ٹیکس سے چھوٹ کی سہولت بھی ان اقدامات کی حوصلہ افزائی کا سبب بنتی ہے۔

تکثیریت: کثیر القومی کارپوریشنوں کی وجہ سے سرحدوں سے ماورا باہمی ربط ضبط واقع ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ تعلیم (خصوصاً کاروباری تعلیم) کے معاملے میں بھی عالمی تناظر کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے[۲۵]۔ یہ عالمی تناظر اور تہذیبوں کے مابین افہام وتفہیم، طالب علموں کے لیے دنیا میں ہر جگہ قبولیت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں مختلف ثقافتوں اور رسوم ورواج کے درمیان میل جول اور تکثیریت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ مسابقت کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔ جبکہ قربت و یکجائی اور افکار وتصورات کا پھیلاؤ، ردعمل اور مزاحمت کی روک تھام کرتا ہے۔ کثیر القومی کارپوریشن کی جانب سے بیرونی ذرائع سے تعاون کا حصول بالخصوص خدمات کے شعبے میں، نسبتاً نیا مگر اہم معاملہ ہے۔ اس طرح فائدہ حاصل کرنے والے ممالک نہ صرف یہ کہ دنیا کا ورکشاپ بلکہ علاقائی دفاتر بھی بنتے جارہے ہیں[۲۶]۔ یہ عمل نہ صرف روزگار مہیا کررہا ہے بلکہ تکثیریت کو بھی بڑھا رہا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو میزبان معاشروں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

غریب علاقوں میں بھی دستیاب ہیں جبکہ صاف پانی موجود نہیں ہے۔Rio Tinto جیسی کمپنیوں کی جانب سے کانوں میں ہونے والے کام کے نتیجے میں زمین اور پانی بڑے پیمانے پر ضائع ہوتا ہے جبکہ یہ غریب طبقات کے لیے زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے۔ بڑے کاروباری اداروں کی منشاء کے مطابق ہونے والی عالمگیریت نے ملکوں کو غریب اور بھوکے عوام کے لیے سستے اناج کے بجائے ایسی قیمتی فصلوں کی پیداوار کی جانب دھکیل دیا ہے جن کی بیرون ملک مانگ ہے[۲۸]۔

کمپنی اور کمپنی، اور ملک اور ملک کی بنیاد پر تنازع کے دوسرے ٹھوس اسباب بھی ہیں۔ بیشتر صورتوں میں حکومتوں کو ملک کے اندر کثیر القومی کارپوریشنوں کو آزادی کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دینے اور معاشرے کی مجموعی سماجی اور معاشی ضروریات کا لحاظ نہ کرنے پر تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس طرح مفادات کا یہ اختلاف معاشرے میں تنازعات کا سبب بنتا ہے۔

مادیت اور غیر ضروری خرچ میں اضافہ: ترقی کے جس مفہوم کو عام کیا جارہا ہے وہ محض مادی فوائد تک محدود ہے۔ زندگی کی آسائشیں، ضروریات اور لوازمات میں شامل ہوگئی ہیں[۲۹] اور مسرت و اطمینان کو زندگی کے تعیّشات اور ان کے حصول سے جوڑ دیا گیا ہے۔کثیر القومی کارپوریشنوں کی کارروائیوں کے باعث اِسراف (غیر ضروری صرف وخرچ) کا کلچر تقریباً پوری دنیا پر حاوی ہو چکا ہے اور ترقی یافتہ دنیا کے بعد ترقی پذیر اور انتہائی کم ترقی یافتہ معاشروں کو بھی بڑی تیزی سے اپنی گرفت میں لے رہا ہے۔پیشکش کے انداز اور نمائشی تبدیلیاں اس رجحان کے فروغ میں سب سے زیادہ کردار ادا کررہی ہیں۔ کسی چیز کی واقعی ضرورت ہے یا نہیں، اس کے بجائے اس کی فروخت کا تعین یہ چیز کرتی ہے کہ اسے پیش کس طرح کیا جارہا ہے۔ ماڈل بہت تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں اور پرانا ماڈل بہت کم وقت میں اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔اگر ماڈل نیا نہ ہو تو پیداوار کو نئی شکل دینے اور اس کی مانگ بڑھانے کے لیے پیکنگ بدل دی جاتی ہے ۔اس کا نتیجہ معاشروں پر ہمہ گیر اثرات کی صورت میں سامنے آتا ہے۔مندرجہ ذیل نکات ان اثرات کی عکاسی کرتے ہیں۔

طرز زندگی اور طریقے: ڈیپارٹمنٹل اسٹوروں، شاپنگ مال اور پلازوں کی فصل اگ

،حتیٰ کہ علاقوں کے درمیان عدم مساوات بڑھ رہی ہے۔

۱ تعلیمؑ اخلاقی اور سماجی اقدار کی نشو ونما اور کردار کی تعمیر پر زور دیتے ہوئے متوازن شخصیت پروان چڑھانے کے لیے دی جایا کرتی تھی۔ دانشمندانہ اور انسانی اقدار کے فروغ کے ساتھ اقدار پر مبنی معاشرے کا ارتقاء تعلیم کا اولین مقصد ہوا کرتا تھا۔ مگر اب اس کی جگہ رسد، یعنی خدمات مہیا کرنے والوں، اور طلب، یعنی طالب علموں اور والدین، دونوں جانب سے دولت کے حصول پر زور نے لے لی ہے۔

بدعنوانی اور جرائم :لالچ، امتیازات، احساس محرومی، اس کے ساتھ ساتھ نئے سازوسامان کے حصول کے لیے جاری دوڑ، بدعنوانی، جرائم، آمدنی بڑھانے کے لیے ناجائز ذرائع کے استعمال اور دوسری مجرمانہ سرگرمیوں کو فروغ دے رہے ہیں۔ مقصد دولت کا حصول ہے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ملے۔ مادّی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اگر دولت جائز ذرائع سے دستیاب نہیں ہو رہی تو اسے ناجائز ذرائع سے حاصل کیا جائے۔ اپنی حد تک کثیر القومی کارپوریشنیں بھی مارکیٹ پر قبضے کے لیے بدعنوانی پر مبنی طریقے اختیار کرتی ہیں[۳۱]۔

صحت کی دیکھ بھال کے ڈھنگ: صحت کی دیکھ بھال کے طریقوں پر پڑنے والا اثر بھی بہت اہم ہے۔ یہ جوگنگ شوز، منرل واٹر اور وٹامنز کا دور ہے جبکہ صحت مند رہنے کے روایتی طریقے عنقا ہوتے جا رہے ہیں[۳۲]۔ متبادل طریقوں کی بھرمار نے مریضوں کو جلد باز بنا دیا ہے۔ وہ اپنی صحت کی ضرورتوں کے لیے درست تشخیص اور علاج سے زیادہ، بہتر خدمات کی توقع رکھتے ہیں، بالخصوص جب کریڈٹ کارڈ یا ہیلتھ انشورنس کے ذریعے تیسری پارٹی کی جانب سے نقد کے بغیر ادائیگی کا معمول ہو[۳۳]۔ مرض کے بعد علاج سے زیادہ توجہ، پیشگی حفاظتی ہیلتھ کیئر پر دی جا رہی ہے[۳۴]۔ لیکن طرز زندگی میں تبدیلیوں سے ہونے والی بیماریوں میں اضافے نے میڈیکل بلوں پر پڑنے والے اثر کو برابر کر دیا ہے۔

کام کے طریقے انتہائی مصروف معمولات کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اہداف اور کام کی تکمیل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نمائشی ثقافت ... بدلتے تصورات : اپنی مصنوعات کو متعارف کرانے اور فروغ دینے کے لیے کثیر القومی کارپوریشنوں کی مہمات لوگوں، خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کے ذہنوں کو متاثر کرتی ہیں۔ ان مہمات میں پیش کیے جانے والی شخصیات آئندہ نسلوں کے لیے مثالی نمونہ تصور کی جاتی ہیں۔ یہاں اخلاق و کردار وغیرہ جیسی چیزوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ مثالی نمونے چمک دمک کی ثقافت سے وابستہ فلمی صنعت، اداکاروں اور اداکاراؤں، گویوں، فیشن ڈیزائنروں وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسپانسر شپ اور مالی تعاون کے ذریعے، تقریبات، میلے اور پروگرام مثلاً مقابلہ حسن، محفل موسیقی، ڈرامے وغیرہ منعقد کر کے ایسا ماحول بنایا جاتا ہے جس میں لوگ ان اشیاء کی خریداری پر زیادہ خرچ کرنے پر آمادہ ہوں جو ان کمپنیوں کی جانب سے بازار میں پیش کی جا رہی ہوں[۳۷]۔ ان معاشروں میں جہاں کثیر القومی کارپوریشنوں کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہو رہا ہو، بیرونی زبان (انگریزی) کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے کیونکہ کثیر القومی کارپوریشنیں زیادہ تر ان ہی طبقوں میں سرگرم ہوتی اور ان ہی کی خدمات حاصل کرتی اور ان ہی کی ترقی کا ذریعہ بنتی ہیں جو انگریزی میں مہارت رکھتے ہیں[۳۸]۔

غیر اہم معاملات کو اہم بنانا : یہ بات اہم ہے کہ غریب طبقے کثیر القومی کارپوریشنوں کا ہدف نہیں ہوتے۔ غریبوں کے لیے کوئی نعرہ ان کے نزدیک کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غریب قوت خرید سے محروم ہوتے ہیں، اس لیے یہ سمجھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے کہ غریب اور ان کے مسائل' گلوبل کارپوریشنوں کی ترجیحات میں شامل ہو سکتے ہیں۔ کثیر القومی کارپوریشنیں بنیادی طور پر بڑھتی ہوئی قوت خرید والے متوسط طبقوں کو اپنا ہدف بناتی ہیں، اور روزمرہ زندگی میں صَرف و خرچ اور خرید و فروخت کے حوالے سے ان کی ترجیحات کو بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔

کثیر القومی کارپوریشنیں اور بڑی کارپوریشنیں ایسے مخصوص موضوعات کو نمایاں کرنے کے لیے جو ان کے کاروبار کے فروغ کے لیے بہت زیادہ مفید ہوتے ہیں، دانشوروں، قانون سازوں،

میڈیا اور بعض این جی اوز سے قریبی روابط استوار کرتی ہیں۔ اسی حوالے سے وہ مطلوبہ قانون سازی کے لیے بھی اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتی ہیں۔

یہ چیز بڑی کارپوریشنوں کے مفاد میں ہے کہ ان کی تیار کردہ اشیاء مختلف ملکوں میں زیادہ رسائی اور زیادہ منڈیاں حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے کسی خاص ملک، ملکوں کے گروپ یا علاقے میں ایسے موضوعات نمایاں کیے جاتے ہیں جو مقامی صنعت کو پیداواری لاگت کے حوالے سے حاصل سہولتوں کو ختم کر کے اسے مسابقت کے قابل نہیں رہنے دیتے۔

فروخت کاری کے منفی ہتھکنڈے: بڑی کاروباری کارپوریشنوں کی فروخت کاری اور اشتہارات کی مہمات کے گہرے مشاہدے سے اس تلخ حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ مصنوعات کو متعارف کرانے کے نام پر دھوکا دہی اور جھوٹ کو کس طرح قابل قبول معمول بنا دیا گیا اور باقاعدہ ادارے کی شکل دے دی گئی ہے۔ جھوٹے دعووں اور خوابوں بھری دنیا کے ذریعے لوگوں کو ذہنی غسل دے کر مسحور کر لیا جاتا ہے۔ آسانی سے حاصل ہونے والی آمدنی اور آسائشوں کے حوالے سے مبالغہ آرائی عام ہے جبکہ مقامی مصنوعات کا مذاق اڑایا جاتا ہے[39]۔ بچے اور نوجوان اُن کا خصوصی ہدف ہوتے ہیں جبکہ مصنوعات کو متعارف کرانے کے لیے خواتین کا بازاری جنس کی حیثیت سے استحصال، معاشرتی اقدار کے موجودہ ڈھانچے کو تیزی سے متاثر کر رہا ہے[40]۔

کاروبار کی ترقی بذریعہ خیرات: کوئی شبہ نہیں کہ اس سب کے ساتھ ساتھ بعض کثیر القومی کارپوریشنیں میزبان معاشروں کے اندر فلاحی اور خیراتی سرگرمیوں میں بھی حصہ لے رہی ہیں۔ مثلاً وہ بیرون ملک تعلیم کے لیے وظائف دیتی ہیں، علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کرتی ہیں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کی معاونت کرتی ہیں۔ تاہم خیرات پر خرچ کی جانے والی رقم، اس منافع کے مقابلے میں جو وہ کماتی ہیں، انتہائی حقیر ہوتی ہے[41]۔ بڑی اہم بات یہ ہے کہ خیراتی اور رفاہی کام ایسی سرگرمیوں کے گرد گھومتا ہے جو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس مقصد کے لیے رقوم تقسیم کرنے والی کارپوریشنوں کے لیے مختلف قسم کے فوائد کا باعث بنتی ہیں۔ سب سے زیادہ عام مثال دواسازی کی صنعت کی ہے۔

ریسرچ اور آگہی کے فروغ اور ضرورت مندوں کی مدد کے نام پر کارپوریشنیں، ڈاکٹروں اور دوسرے متعلقہ ماہرین کو مختلف سرگرمیوں کی سرپرستی کے لیے بھاری رقوم پیش کرتی ہیں۔ مقاصد بالکل واضح ہیں۔ اس کا مقصد مریض کی بہبود نہیں بلکہ کمپنی کی ادویات کے استعمال کے لیے ڈاکٹر کے تعاون کا حصول ہوتا ہے۔ یہی وہ بنیادی محرک ہے جو اس قسم کی سرگرمیوں کے پس پشت کارفرما ہوا کرتا ہے۔

خیراتی اور فلاحی مدات پر خرچ کرتے ہوئے، کثیرالقومی کارپوریشنیں ان معیشتوں کو ترجیح دیتی ہیں جو ان کے کاروباری مفادات کے لیے سب سے بہتر ہوتی ہیں۔ ۲۳ بڑی کثیرالقومی کارپوریشنوں کے ایک تحقیقی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ۲۰۰۵ء میں پاکستان میں زلزلہ زدگان کے لیے مجموعی طور پر ۹ء۱۹۷ ملین ڈالر کے عطیات دیے۔ لیکن یہ رقم سونامی (۳۹ء۱۴۲ ملین ڈالر) اور کیٹرینا (۲۷ء۹۹ ملین ڈالر) کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ تینوں قدرتی آفات کے لیے دی گئی رقوم کو فی متاثرہ فرد امداد کے حساب سے دیکھا جائے تو بھاری فرق سامنے آتا ہے۔ پاکستان میں زلزلے سے بے گھر ہونے والے افراد کے لیے انہوں نے صرف چھ ڈالر فی کس امداد فراہم کی۔ جبکہ امریکا میں کیٹرینا کے متاثرین کے لیے یہ رقم ۳۳۰ ڈالر فی کس اور سونامی زدگان کے لیے ۹۱ ڈالر فی کس سے زیادہ تھی۔ یہ اعداد و شمار خیراتی کاموں میں کثیرالقومی کارپوریشنوں کی ترجیحات کو بالکل واضح کر دیتے ہیں[۴۲]۔

انسانی حقوق: بڑی کاروباری کارپوریشنوں کی جانب سے کارکنوں کا استحصال عام بات ہے۔ بیشتر کارکنوں کو حد سے زیادہ کام اور مالی بدمعاملگی کی شکل میں غیر انسانی اور تکلیف دہ حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے تجارت و ترقی انڈونیشیا میں کارکنوں کے دردناک حالات زندگی کا نقشہ یوں کھینچتی ہے:

''ری بوک، نائک، اور لیوی اسٹراس جیسی کمپنیوں نے محنت کشوں اور کارکنوں کا استحصال کیا ہے۔ کارکن بوسیدہ درو دیوار اور ٹپکتی چھتوں والے، مچھروں سے بھرے اپارٹمنٹوں میں رہتے ہیں، اور ہزاروں کی تعداد میں ایسی اشیاء کی تیاری کے بدلے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ۱۰۰ ڈالر سے کہیں

زیادہ ہے‘ صرف ۳۹ ڈالر ماہانہ کماتے ہیں۔..... سستی لیبر غیر انسانی بود و باش اور غیر قانونی اجرتوں کے مسائل سے دوچار ہے۔“

یہ صورت حال اس کے باوجود ہے کہ انٹرنیشنل چیمبر آف کامرس سمیت دنیا کی متعدد عظیم ترین کاروباری انجمنیں اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کے ’عالمی معاہدے‘ (Global Compact) کو منظور کر چکی ہیں۔ اس معاہدے میں کمپنیوں کو خود قانون سازی کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ تاہم سماجی ترقی کے لیے اقوام متحدہ کے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (UNRISD) کی ایک رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ ”اس بات کا خطرہ ہے کہ کارپوریٹ سیلف ریگولیشن اور اس کے ساتھ ساتھ پارٹنرشپ کے مختلف انتظامات، حکومتوں، ٹریڈ یونینوں اور سول سوسائٹی کی فعالیت اور کردار کو کمزور کر رہے ہیں[۴۳]۔

خاندانی نظام: کثیر القومی کارپوریشن کے اثرات کے پھیلاؤ کے نتیجے میں میزبان معاشروں کے کلچر اور طرز زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیاں‘ ان کے خاندانی نظام کے لیے مہلک ثابت ہو رہی ہیں۔ حد سے زیادہ اخراجات اور ذرائع آمدنی سے بڑھ کر زندگی بسر کرنے کا رویہ خاندانوں کے اندر معاشی دباؤ کے ساتھ ساتھ کشیدگی اور تناؤ کو بڑھانے کا سبب بن رہا ہے۔ مختلف اشاریے ظاہر کرتے ہیں کہ کثیر القومی کارپوریشنوں اور دوسری بڑی تنظیموں کے ساتھ کام کرنے والی عورتیں‘ شادی اور بچوں کی پیدائش کے بعد شدید کشمکش کا شکار ہو جاتی ہیں۔ والدین اپنے خاندان خصوصاً بچوں کو بہت کم وقت دے پاتے ہیں۔ عالمی ادارۂ صحت کے مطابق دنیا میں چھ میں سے ایک عورت بچے کی پیدائش کے فطری طریقے کا انتخاب کرتی ہے۔ یہ رجحان پہلے زیادہ تر ترقی یافتہ ملکوں تک محدود تھا[۴۴] لیکن اب یہ ترقی پذیر معاشروں میں بھی عام ہو رہا ہے جہاں غیر طبی عوامل جراحی کے اخراجات کو بڑھا رہے ہیں۔ اس موضوع پر ایک بھارتی ماہر Damayanti Datta کا تبصرہ یہ ہے:

”یہ نئی سماجی تبدیلی ہے۔ بہت سے لوگ شہری ماحول میں پلنے بڑھنے والی ماڈرن عورتوں کے حوالے سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ فطری طریقہ پیدائش کی طوالت کی زحمت اور تکلیف سے بچنا چاہتی ہیں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ”جراحی کا طریقہ کم تکلیف دہ اور زیادہ باوقار ہے، علاوہ ازیں اسے اپنا کر

آپ اپنی زندگی پر زیادہ کنٹرول رکھ سکتے ہیں۔'' کام کے ماحول کا اثر اتنا طاقتور ہے کہ'' جراحی سے ہونے والی تقریباً ۸۰ فی صد ولادتیں پانچ بجے شام کے بعد عمل میں آتی ہیں۔ جراحی سے ہونے والی ولادتوں کی شرح' اختتام ہفتہ سے عین پیشتر اپنے نقطہ عروج کو پہنچ جاتی ہے۔'' رجحان یہ ہے کہ عورتیں کوشش کرتی ہیں کہ ولادت کے لیے ملازمت کی ضرورتوں، گھریلو مجبوریوں، حتیٰ کہ تعطیلات سے ہم آہنگ وقت منتخب کریں۔'' [۴۵]

آگے کیسے بڑھا جائے؟

انسانی معاشرے میں ہونے والی ہر پیش رفت کی طرح کثیر القومی کارپوریشنیں بھی مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کی حامل ہیں۔ دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ معاشرے بھی کثیر القومی کارپوریشنوں کی وجہ سے مسائل سے دوچار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب عالمگیریت کے جاری عمل کے تحت کانفرنسیں اور اجلاس ہوتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طاقتور اور متحرک گلوبل جسٹس موومنٹ مظاہروں کا اہتمام کرتی ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان کثیر القومی کارپوریشنوں نے ترقی یافتہ کہلانے والے ملکوں کی ترقی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے (معاشروں اور کثیر القومی کارپوریشنوں دونوں نے) شانہ بشانہ اور ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے۔ یہ ایک تدریجی ارتقاء تھا لہٰذا قانون ساز مجالس، انضباطی ایجنسیوں، عدالتی نظام، اور صارفین کی انجمنوں کی شکل میں وہاں اب نگرانی اور توازن قائم رکھنے کے لیے نظام کے اندر ہی مضبوط ادارے موجود ہیں۔ جبکہ ترقی پذیر میزبان معاشروں کے معاملے میں اس کے برعکس ایک ناہموار اور غیر مساوی مقابلہ وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ اس صورت حال کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

مداخلت کی تین سطحیں

o اس غیر مساوی مقابلے کے چیلنج کا سامنا کرنے اور اس سے نمٹنے کے لیے صارفین کی عوامی تحریکوں کو بالکل نچلی سطح تک منظّم کیا جانا ضروری ہے۔ کثیر القومی کارپوریشنوں کو میزبان معاشروں کے مسائل کے بارے میں سوشل ریسرچ کا بندوبست کرنے اور اپنے منافع کا کچھ حصہ میزبان

معاشروں کے سماجی شعبے خصوصاً تعلیم اور انسانی وسائل کی ترقی کے لیے خرچ کرنے پر تیار کیا جانا چاہیے۔ یہ مداخلت کی ایک سطح ہے۔

o مداخلت کی دوسری سطح کا تعلق ،مقامی اور عالمی دونوں سطحوں پر، حکومتوں سے ہے۔ میزبان ملکوں کو مقامی ضروریات کے مطابق قانون سازی کرنی چاہیے جس سے فوائد اور بوجھ دونوں کی مساوی تقسیم کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس قانون سازی کا جھکاؤ کم آمدنی والے گروپوں کے حق میں ہونا چاہیے۔ ایشیا پیسیفک ہیومن ڈیولپمنٹ کی رپورٹ نے اس بارے میں ایک خاکہ پیش کیا ہے جس میں دوسرے امور کے ساتھ ساتھ ان نکات پر زور دیا گیا ہے: مسابقت کی اہلیت پیدا کرنے کے لیے سرمایہ کاری، تزویری تجارتی پالیسیوں کا اختیار کیا جانا، زراعت پر زیادہ توجہ کی بحالی، بے روزگاری میں اضافے سے جنگ، ٹیکس کے نئے نظام کی تیاری، اور کثیر الجہتی حکمت عملی کا تسلسل۴۶۔

o عالمی سطح پر اس مسئلے سے اقوام متحدہ اور اس کے متعلقہ اداروں (جیسے UNCTAD اور دیگر) کی جانب سے نمٹا جانا چاہیے۔ یہ بہر حال ایک مشکل کام ہے۔ اب تک کا تجربہ بہت زیادہ حوصلہ افزا نہیں رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائیوں میں سب سے کم ترقی یافتہ ملکوں نے اقوام متحدہ کو ایسے فورم کے طور پر استعمال کیا جہاں وہ کثیر القومی کارپوریشنوں کی جانب سے ترقی پذیر ملکوں کو معاشی طاقت اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کے ساتھ نئے اقتصادی نظام کے لیے آواز بلند کر سکیں۔ اقوام متحدہ کے سنٹر فار ٹرانس نیشنل کارپوریشنز (CTC) نے مختلف صنعتوں پر کثیر القومی کارپوریشنوں کے کنٹرول کے بارے میں اہم تحقیقاتی کام کیا، اور تیسری دنیا کی حکومتوں کو اس ضمن میں تجاویز دیں کہ کثیر القومی کارپوریشنوں سے بات چیت کیسے کی جائے۔ اور پھر پندرہ سال سے زیادہ تک CTC نے ٹرانس نیشنل کارپوریشنوں کے لیے ایک ضابطہ اخلاق کی تیاری کے لیے ہونے والے مذاکرات کی نگرانی کی لیکن امریکا کی جانب سے کثیر القومی کارپوریشنوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کوشش کو پہلے سبوتاژ کیا گیا اور پھر مکمل طور پر اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ اب اقوام متحدہ کی قلب ماہیئت کی ایک اور علامت یہ سامنے آئی ہے کہ CTC کو اقوام متحدہ کی ایک ایجنسی میں ضم کر دیا گیا ہے جو ترقی پذیر ملکوں میں

کاروباری سرمایہ کاری کو فروغ دینے کی کوشش کرتی ہے۔اقوام متحدہ کے حکام اب کثیر القومی کارپوریشنوں کے ساتھ شراکت کے معاہدے کرر ہے ہیں[۴۷]۔اس کی وجہ ایک حد تک پچھلے کئی عشروں میں ترقی کے لیے کی جانے والی کوششوں کی ناکامی سے پیدا ہونے والی ناامیدی اور ایک حد تک ان کا یہ خیال ہے کہ ان کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں[۴۸]۔

مشکلات کے باوجود یہ بات بہرحال واضح کردی جانی چاہیے کہ طویل مدتی بنیاد پر موجودہ کوتاہیوں کا ازالہ کر کے صحت مند مقابلہ کی طرف بڑھنے کی خاطر ایک جامع پروگرام کی تیاری کے لیے گلوبل حکمت عملی وضع کرنا ضروری ہے۔بلاشبہ یہ ممکن ہے اگر کاروبار کی توسیع و ترقی میں محض حصص یافتگان کے نہیں بلکہ معاشرے اور ماحول کے مفادات بھی ملحوظ رکھے جائیں۔تجارت و ترقی کے موضوع پر UNCTAD کی رپورٹ برائے ۲۰۰۶ء میں بالکل درست طور پر اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ترقی کے لیے عالمی شراکت' گلوبل اکنامک گورننس کے مؤثر نظام کے بغیر نامکمل رہے گی۔اس نظام میں ترقی یافتہ ملکوں کی مخصوص ضروریات کا پورا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔اس کے ساتھ ساتھ اس نظام کو ایک طرف قومی معاشی پالیسی سازی میں خودمختاری اور دوسری طرف کثیر الجہتی انضباطی نظاموں اور اجتماعی حکمرانی کے درمیان درست توازن کو بھی یقینی بنانا چاہیے[۴۹]۔

اخلاق و کردار کے پہلو

یقینی طور پر ہم آج ایک ایسے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں نہ صرف فاصلے کم تر اور رابطے تیز تر ہو رہے ہیں، بلکہ معاشرے کا سماجی تانا بانا اور اخلاق و کردار کی پابندیاں کمزور اور اجتماعی تباہی کے ذرائع زیادہ سے زیادہ طاقتور ہوتے چلے جارہے ہیں۔اس صورت حال میں درپیش گلوبل چیلنج یہ ہیں:

عالمی ہم آہنگی اور قربت کو پروان چڑھانا، تمام معاشروں میں ترقی کو اس طرح فروغ دینا کہ غربت ختم ہو، بے روزگاری کم ہو، آمدنی اور دولت کے تفاوت میں کمی آئے، جرائم، کشیدگی اور مایوسی کے گھٹنے کا عمل شروع ہو، اور خاندان اور معاشرے میں ہم آہنگی فروغ پائے۔

تمام انسانی اداروں کی، جن میں اہم ترین منڈی، خاندان، معاشرہ اور حکومت ہیں، مؤثر اور ہم آہنگ کارگزاری کی ضرورت ہے۔ یہ تمام ایک دوسرے سے قریبی طور پر متعلق ہیں اور الگ الگ خانوں میں رہ کر کام نہیں کر سکتے۔ ان میں سے کوئی ادارہ صرف اپنے مفاد کی بنیاد پر مؤثر طور پر کام نہیں کر سکتا۔ کارکردگی کو بڑھانے کے لیے ذاتی مفاد کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے مگر عدل و مساوات اور اس کے ساتھ ساتھ کارکردگی کے ادراک کے لیے ایثار و قربانی بھی ضروری ہے۔ اس لیے سماجی مفاد کو بھی ذاتی مفاد کے ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ایک منطقی شخص معاشرتی مفاد کے لیے قربانی دینے پر کیوں تیار ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترغیبات، پابندیاں، اخلاقی اصول اور عالمی جوابدہی سب ہماری ضرورت ہیں۔ غربت میں کمی کو امیروں کی طرف سے غریبوں کے لیے خیراتی کام کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایسی مد میں سرمایہ کاری کی حیثیت سے دیکھا جانا چاہیے جس کے ذریعے غریب کو منڈی میں لایا جا سکتا ہے۵۰۔

لہٰذا بہتر باہمی مفاہمت اور عظیم تر امن، ہم آہنگی اور تعاون کے ساتھ ایک گلوبل ویلج کا ماحول پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ایسے ماحول کی عدم موجودگی تہذیبوں کے تصادم کی راہ ہموار کر سکتی ہے۔ گرہارڈ شروڈر کے الفاظ میں ''جو مقاصد ہمارے پیشِ نظر ہیں ان کے لیے ایک طاقتور کثیر الجہتی نظام درکار ہے جس کی بنیاد بقائے اصلح کے نظریے کے بجائے قانون کی حکمرانی پر ہو۔''۵۱ تمام اقوام کی خوش حالی ایسے ہی عالمگیریت پر منحصر ہے۔ جس نکتے پر زور دیے جانے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انصاف اور باہمی امداد و تعاون کے بغیر معاشی، سماجی اور سیاسی قربت، عالمِ انسانیت کی ہم آہنگی کا سبب نہیں بن سکتی۔

کثیر القومی کارپوریشنوں کے ہاتھوں واقع ہونے والی موجودہ عالمگیریت معاشی قربت پر تو زور دیتی ہے مگر انصاف پر نہیں۔ نیلسن منڈیلا نے انڈیا ٹوڈے کی جانب سے Bridging the Divide کی تقریب میں جو کچھ کہا، درپیش صورت حال کی اس سے بہتر ترجمانی نہیں کی جا سکتی:

''مجھے یہ بات پریشان کرتی ہے کہ ہماری دنیا صرف چیزوں اور اطلاعات کے تبادلے کے لیے گلوبل ویلج بن رہی ہے - ایسی جگہ نہیں بن رہی جہاں اس میں رہنے والے ہر شخص کو تحفظ، معاشی

وسائل، سلامتی اور عزت و وقار حاصل ہو۔''

ایک عادلانہ معاشی نظام میں ترقی پذیر ملکوں کی جانب سے پیداوار اور برآمدات میں ترقی یافتہ صنعتی ملکوں کے ساتھ ساتھ بڑھوتری درکار ہے۔ اس نظام کے تحت ترقی پذیر قوموں میں پائی جانے والی بے روزگاری اور غربت میں تخفیف ضروری ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کی صلاحیت اس وقت تک نہیں بڑھ سکتی جب تک کہ ان کی پیداواری اہلیت کی راہ میں حائل تمام رکاٹیں دور نہ کر دی جائیں۔ انسانی وسائل، انفرا اسٹرکچر کی ترقی اور ٹیکنالوجی تک رسائی بھی اس مقصد کے لیے ناگزیر ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں کی جانب سے ٹیکنالوجی کی منتقلی اور تکنیکی معاونت کے ذریعے ترقی پذیر ملکوں کی مدد کی جانی چاہیے۔ یہ چیز خود دولت مند ملکوں کے لیے بھی مفید ہوگی، کیونکہ ساری دنیا میں زیادہ پیداوار ہونے سے خود انہیں بھی فائدہ پہنچے گا۔ ماہرین معاشیات نشان دہی کرتے ہیں کہ بہتر مساوات (پیداوار میں نہیں، مواقع میں) ''سرمایہ کاری اور پیداوار کے لیے متحرک فوائد کے ساتھ بہتر معاشی کارکردگی، تنازعات میں کمی، زیادہ اعتماد، اور بہتر اداروں کی جانب پیش رفت کا سبب بنتی ہے۔'' اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ ''متحرک فوائد'' ان قوموں کے لیے انعام ہیں جو عدم مساوات اور بے انصافی کے خاتمے پر زیادہ توجہ دیتی ہیں' تو ان اصولوں کی رضا کارانہ پابندی اور نفاذ کا رجحان فروغ پائے گا۔[۵۳]

عالمگیریت کے عمل کے ذریعے دنیا کو اس کے ثقافتی تنوع کے ساتھ قائم رکھتے ہوئے ایک آفاقی گاؤں بنانے کی جانب پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ رنگارنگی زندگی کا حسن اور عظیم انسانی اثاثہ ہے۔ ایک بالادست گروہ کی طرف سے باقی دنیا پر ایک خاص کلچر کو مسلط کرنے کی کوئی کوشش، پوری دنیا کے لیے مسائل پیدا کرے گی۔ ہمیں جس چیز کی حقیقتاً ضرورت ہے وہ عالمگیریت کا انسانی چہرہ ہے۔[۵۴]

حواشی

۱ : اس کی ڈائری میں یہ تحریر ملی: پیارے خدا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنا کھانا کبھی ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ کتنا ہی بدمزہ کیوں نہ ہو، اور میرا پیٹ کتنا ہی بھرا ہوا کیوں نہ ہو۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس ننھی بچی کی حفاظت کرے اور اس کے مصائب کو دور کردے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ہم اس دنیا کے لیے جو ہمارے گردوپیش ہے، زیادہ حساس ہو جائیں، اور اپنی خودغرض فطرت اور مفادات کے سبب اندھے ہو کر نہ رہ جائیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ تصویر ہمیں ہمیشہ یہ یاد دلاتی رہے گی کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں اور یہ کہ ہمیں کبھی بھی نعمتوں کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے۔

۲ : یہ ادارے جمہوری نہیں کہلا سکتے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان ہیں جن کے پاس ویٹو کا اختیار ہے۔ اور اس اختیار کی حامل طاقتوں میں امریکا سب سے زیادہ بااثر ہے جس کی بنیادی وجہ اس ادارے کے لیے اس کا سب سے زیادہ مالیاتی تعاون ہے۔ آئی ایم ایف میں ووٹنگ پاور کا تعین اس ادارے کے لیے کسی ملک کی جانب سے مہیا کی گئی رقم پر ہوتا ہے۔ یعنی فیصلہ سازی کا عمل ایک رکن- ایک ووٹ کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ایک ڈالر- ایک ووٹ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ عالمی تجارتی تنظیم (ڈبلیو ٹی او) کا نظم دوسرے کئی عالمی اداروں کے مقابلے میں مختلف ہے اور اس میں ہر رکن کو یکساں حق رائے دہی حاصل ہے مگر سیاسی اثر و رسوخ کے ساتھ غیر معمولی انسانی، دانشورانہ اور مالیاتی وسائل، دولت مند ملکوں کو فیصلہ سازی میں کہیں زیادہ مؤثر بنا دیتے ہیں۔

۳ : Anderson and Cavanagh, "*TOP 200*".

۴ : ایضاً

۵ : ایضاً

۶ : UNCTAD, "Multinational Corporations in Least Developed Countries".

۷ : Anderson and Cavanagh, op.cit

۸ : UNCTAD, op. cit

۹ : ایضاً

۱۰ : ایضاً

۱۱ : پاکستان اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں بالکل اسی طرز پر مقامی میڈیا تنظیمیں بڑی تیزی سے پروان چڑھ رہی ہیں۔ پاکستان کا جنگ گروپ اس کی ایک مثال ہے۔ یہ چار صبح کے اخبارات (جنگ، دی نیوز، آواز اور پاکستان ٹائمز) لندن سمیت مختلف مقامات سے شائع کرتا ہے۔ دو شام کے اخبارات اور دو ہفت روزہ جرائد اس کے علاوہ ہیں۔ یہ ادارہ پاکستان کے بڑے کتاب گھروں میں سے بھی ایک ہے۔ اس کا ٹی وی نیٹ ورک تین الگ الگ چینل پہلے ہی شروع کر چکا ہے جبکہ اب یہ وائس آف امریکا کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت پرائم آورز میں پاکستانی سامعین تک اس کے پروگرام بھی پہنچا رہا ہے۔ اس گروپ نے رفاہی کاموں کے لیے پکار فاؤنڈیشن بھی قائم کر رکھی ہے، جبکہ میر خلیل الرحمٰن میموریل فاؤنڈیشن کے نام سے اس کی جانب سے علمی سیمینار اور کانفرنسیں بھی منعقد کی جاتی ہیں۔ یہ گروپ نمائشوں اور میلوں کا اہتمام بھی کرتا ہے۔

۱۲ : Action Aid International, "Under the Influence"

۱۳ : ایضاً

۱۴ : یورپی یونین اور امریکا نے جنیوا میں بالترتیب ۴۳ اور ۲۵ دفاتر قائم کر رکھے ہیں۔ اس کے مقابلے میں دنیا کے ۸۰ ملین افراد کی ڈبلیو ٹی او میں قطعی کوئی نمائندگی نہیں ہے کیونکہ ان کے ممالک جنیوا میں اپنے نمائندے رکھنے کے لوازمات کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے۔ ۲۰۰۵ء میں ہانگ کانگ میں ہونے والے وزارتی اجلاس میں یورپی یونین کے مندوبین کی تعداد ۸۰۰ اور امریکا کے مندوبین کی ۳۵۰ سے زیادہ تھی۔ (ایضاً)

۱۵ : Singh, "Multinational Corporations and India"

۱۶ : کثیر القومی کارپوریشنوں کی طرف سے پاکستان میں کی جانے والی نئی سرمایہ کاریوں کا ہدف بالعموم انتہائی منفعت بخش شعبے رہے ہیں۔ جب پاکستان کے بینکنگ کے شعبہ میں منافع نظر آیا تو بیرونی بینک پاکستانی بینکوں کو خریدنے کے لیے دوڑ پڑے۔ مثلاً پاکستان میں کسی بیرونی بینک کی طرف سے سب سے زیادہ بھاری سرمایہ کاری' اسٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک نے ایک مقامی مالیاتی ادارے یونین بینک

پاکستان کے معاملات سنبھالنے کی خاطر ۸۶ء۸۰ فی صد حصص حاصل کرنے کے لیے مجموعی طور پر ۴۱۳ ملین ڈالر خرچ کر کے کی۔ یہ رقم چند سال پہلے آغا خان فنڈ برائے معاشی ترقی کی جانب سے یونین بینک کی نسبت کہیں زیادہ بڑے مالیاتی ادارے حبیب بینک کی خریداری کے لیے ادا کی گئی ۳۸۹ ملین ڈالر کی رقم سے ۲۴ ملین ڈالر کے بقدر زیادہ ہے۔ (شہزاد، مرجر ٹرینڈس اِن بینکنگ)

۱۷ : ۵ اگست ۲۰۰۱ء کو روزنامہ جنگ کے ایک اشتہاری ضمیمے میں پراکٹر اینڈ گیمبل نے دس سال کے دوران (۱۹۹۱ء تا ۲۰۰۱ء) شیمپو مارکیٹ میں ۴۵ فی صد، ڈٹرجنٹس میں ۴۶ فی صد، ڈائپرز میں ۶۵ فی صد، اور صابن میں ۳۸ فی صد ویلیو شیئرز حاصل کر لینے کا دعویٰ کیا۔

۱۸ : ۱۰۰ سر فہرست کثیر القومی کارپوریشنوں کے حوالے سے UNCTAD کی ۲۰۰۳ء کی درجہ بندی میں، تین کا تعلق میڈیا سے ہے۔ ان میں نیوز کارپوریشن، تھامسن کارپوریشن، برٹلس مین شامل ہیں۔ یہ اور دیگر دیوہیکل میڈیا ادارے بہت سی اقسام کی چیزیں تیار کرتے ہیں جن میں فلم اور ٹیلی وژن سے متعلق اشیاء، ٹیلی وژن نیٹ ورکس، سٹیلائٹ ٹیلی وژن، اخبارات، جرائد، کتابوں کی اشاعت، کھیل، ویب سائٹیں، تعلیمی مواد وغیرہ شامل ہیں۔ یہ عمل صرف بین الاقوامی میڈیا کے دیوہیکل اداروں تک محدود نہیں، مقامی میڈیا تنظیمیں بھی اسی طور پر آگے بڑھ رہی ہیں۔

۱۹ : اس حوالے سے سب سے اچھی مثال میڈیا کی ہے۔ میڈیا کے بغیر کثیر القومی کارپوریشنوں کی فروخت کاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ میڈیا زندگی کے تمام دائروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن میڈیا پر کون اثر انداز ہوتا ہے؟ یقینی طور پر مشتہرین اور وہ بڑی کارپوریشنیں ہیں۔

۲۰ : دنیا کو آج غربت اور آمدنی کے تفاوت کی پیچیدہ صورت حال کا سامنا ہے۔ ایک فی صد امیر ترین لوگ، نچلی سطح کے ۵۷ فی صد (۲ء۷ بلین لوگوں) کی مجموعی آمدنی کے برابر کما رہے ہیں۔ دنیا کے ۳۰۰ امیر ترین افراد کی مجموعی دولت، دنیا کی ۴۵ فی صد آبادی کی کل سالانہ آمدنی کے مساوی ہے۔ (ورلڈ ریوولیوشن، ''اسٹیٹ آف دی ورلڈ'')

۲۱ : دنیا کے تین بلین افراد (نصف آبادی) غربت کا شکار ہیں (دو ڈالر یومیہ سے کم آمدنی پر گزارا کر رہے ہیں)۔ ۱ء۳ بلین 'انتہائی غربت' میں مبتلا ہیں (ایک ڈالر یومیہ سے کم آمدنی میں زندگی بسر کرتے ہیں)۔ ۸۰۰ ملین صحت کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ ۱۱ ملین بچوں سمیت ۱۷ ملین افراد آسانی سے

قابل علاج بیماریوں یا ناکافی غذا کے سبب موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ ۸۰۰ ملین افراد کو بھوک یا مضرِ صحت خوراک کے مسئلے کا سامنا ہے۔ پوری دنیا میں تقریباً ۱۶۰ ملین بچے ناقص اور ناکافی غذا پر گزارا کرتے ہیں۔ دنیا میں ۱۱ ملین افراد ہر سال بھوک یا خوراک کی کمی کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی ۲ء۴ بلین آبادی صحت و صفائی کے مناسب انتظامات سے محروم ہے۔ ۱ء۱ بلین افراد پینے کے صاف پانی تک رسائی نہیں رکھتے۔ ۲۰۲۵ء تک ۵ء۳ بلین لوگ یا دنیا کی لگ بھگ دو تہائی آبادی کو پانی کی قلت کا سامنا کرنا ہوگا۔ ۲ء۲ ملین سے زیادہ لوگ جن میں بیشتر بچے ہوتے ہیں، خراب پانی سے لاحق ہونے والی بیماریوں سے ہلاک ہوتے ہیں۔ ۵ء۷۲ ملین بچے پرائمری تعلیم سے بھی محروم رہتے ہیں۔ دنیا کے ۷۰۸ ملین بالغ افراد ناخواندہ ہیں۔ (ورلڈ ریوولیوشن، op. cit)

۲۲ : عبداللہ ''گریٹسٹ چیلنج''۔

۲۳ : پاکستان میں اس حوالے سے پٹرول پمپ ایک مثال ہیں۔ پرانے گندے ماحول کے برعکس اب ہمیں صاف ستھرے اور سجے سنورے پٹرول پمپ ملتے ہیں جہاں سفر کرنے والوں کے لیے دوسری متعدد ضرورتوں کی فراہمی کا بندوبست بھی ہوتا ہے۔

۲۴ : کوکا کولا پاکستان نے ۲۰۰۱ء سے ان علاقوں کے اسکولوں کو اپنانے کا پروگرام شروع کیا ہے جہاں اس کے کارخانے واقع ہیں۔

۲۵ : Kondap, "Changing Paradigms"

۲۶ : UNDP, "Overview."

۲۷ : روزنامہ ڈان کراچی کی ۵ دسمبر ۲۰۰۳ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اعداد و شمار پر مبنی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں کام کرنے والی ۶۹ کثیر القومی کارپوریشنوں کی جانب سے مالی سال ۰۳-۲۰۰۲ء میں ۳۲۳ ملین ڈالر اپنے ملکوں کو بھیجے گئے۔ اسی سال FDI اس رقم کے دوگنا سے کچھ زیادہ یعنی ۸۲۰ ملین ڈالر تھا۔

۲۸ : UNCTAD, op,cit.

۲۹ : اس کی ایک مثال سیلولر فون ہے۔ اگرچہ اس کے فوائد بہت ہیں، مگر جس انداز میں اس کے استعمال کو فروغ دیا جا رہا ہے، وہ اپنے منہ سے بول رہا ہے کہ مقاصد کیا ہیں۔ اس سے وابستہ طمطراق نے

اسے بنیادی ضرورت بنا دیا ہے۔لہٰذا کال کی شرح کم ہونے کے باوجود ٹیلی فون بلوں کی رقم بڑھ گئی ہے۔فون کمپنیاں ترغیب کے حربوں کے ذریعے صارفین کی جیبوں سے رقم نکالنے کے لیے بہت سی فضول چیزوں کو متعارف کرا رہی ہیں مثلاً ان کے پسندیدہ گانے، اور ایس ایم ایس کے ذریعے مختلف غیر ضروری کام۔

۳۰ : صرف جولائی تا مارچ ۰۶-۲۰۰۵ء میں، پاکستانی بینکوں نے گاڑیوں کے لیے ۲۳٫۲ بلین اور شخصی قرضوں کی مد میں ۲۱٫۵ بلین روپے فراہم کیے جبکہ ۱۰٫۲ بلین رقم کے مساوی کریڈٹ کارڈ جاری کیے۔ مجموعی طور پر اس مدت میں صارفین کے لیے قرضوں کی رقم ۶۷ بلین ڈالر تک بڑھ گئی، یہ رقم پچھلے سال کی اسی مدت کے مقابلے میں ۲۷ فی صد زیادہ تھی۔ (حکومت پاکستان، پاکستان اکنامک سروے ۲۰۰۶ء، صفحہ ۹۰)

۳۱ : پاکستان میں کام کرنے والی ایک کثیر القومی کمپنی کے ایک سابق ملازم کی رپورٹ سے ان ناجائز طریقوں کا پتہ چلتا ہے جنہیں یہ کمپنی شیر خوار بچوں کی صحت کو خطرے میں ڈال کر اپنے فارمولا دودھ کی فروخت کے لیے استعمال کرتی اور منافع کماتی ہے۔اس کے حربوں میں صنعتی ضوابط کے نفاذ کی حکومتی کوششوں میں مداخلت، ڈاکٹروں کو سائن بورڈوں کے لیے رقوم کی فراہمی اور مفت لنچ وغیرہ کے علاوہ مفت دواؤں اور نمونوں کی فراہمی کی شکل میں دی جانے والی ترغیبات شامل ہیں۔ (The Network for Consumer Protection, "Milking Profits")

۳۲ : فٹنس انڈسٹری کے آلات کا شعبہ [بھارت میں] اپنے منافع میں پچاس فی صد سالانہ کا بھاری اضافہ کرتے ہوئے پھل پھول رہا تھا جبکہ ملٹی وٹامنز، ڈائیٹ سپلیمنٹ، شکر کے متبادلات، اور لوفیٹ فوڈ تک تمام چیزوں پر مشتمل دواسازی کی خوردہ صنعت برائے نیوٹرا سیوٹیکلز کی مالیت ۳۰۰۰۰ کروڑ روپے تک پہنچ چکی تھی اور اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔

(Bobb, "Body of Evidence", 52)

۳۳ : ایضاً، ۵۱۔

۳۴ : ایضاً

۳۵ : Purie, 2006 p.3

۳۶ : Bobb, op, cit, 52.

۳۷ : بسنت، جس طرح اب پاکستان (لاہور) میں منائی جاتی ہے، اس کی ایک مثال ہے۔ کثیر القومی کارپوریشنیں، میڈیا تنظیموں، اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں، فلم اور تفریحات کی صنعت، اور فضائی کمپنیوں کے تعاون سے، سفارت کاروں، وزراء، اور دوسری اہم شخصیات کو اس موقع پر اپنے زیر اہتمام ہونے والی مختلف تقریبات میں مدعو کرتی ہیں۔ تعلقات عامہ کی اس مہم پر ایک ہی رات میں اربوں روپے خرچ کر دیے جاتے ہیں۔ کوکا کولا بسنت کی تقریب میں دلچسپی لینے والی کمپنیوں میں سے ایک ہے۔ روزنامہ جنگ میں ۲۲ اگست ۲۰۰۳ء کو شائع ہونے والے اس کے اشتہاری ضمیمے کے مطابق یہ کمپنی لاہور میں ۲۰۰۰ء سے (کم از کم چار سال تک) پارکس اینڈ ہارٹی کلچر سوسائٹی لاہور سے ایک معاہدے کے تحت، سرکاری طور پر اس تقریب کی سرپرست تھی۔ اس نے دنیا کی سب سے بڑی (۶۰۰ مربع فٹ کی) پتنگ بنائی۔ ۲۰۰۳ء میں بسنت کے دوران اس نے ریس کورس گراؤنڈ لاہور میں ایک محفل موسیقی کا اہتمام کیا جس میں ۴۵ ہزار سے زائد سامعین نے شرکت کی۔

۳۸ : پاکستان میں کثیر القومی کارپوریشنوں، اور بڑی مقامی کارپوریشنوں کے اشتہارات کا بھی بڑا حصہ، چند منتخب انگریزی اخبارات اور جرائد کو دیا جاتا ہے۔

۳۹ : ایک دلچسپ مثال ایک گلوبل برانڈ پیپسی کی ہے جس نے روح افزا اور جام شیریں جیسے پاکستان کے دیسی مشروبات کا کھلم کھلا مذاق اڑایا۔

۴۰ : جنک فوڈ اور کنفکشنری بچوں کے لیے پرکشش بنا دی گئی ہے۔ اشتہارات میں ٹافی، بسکٹ اور چاکلیٹ کو دودھ اور انڈے کے برابر ظاہر کیا جاتا ہے۔

۴۱ : مثال کے طور پر شیل پاکستان نے ۰۵-۲۰۰۴ء میں ۲٫۴۶ بلین روپے کا منافع کمایا۔ جبکہ اس نے عطیات پر اس کا ایک بہت حقیر سا حصہ یعنی محض ۰٫۸۴ فی صد خرچ کیا جو دو کروڑ روپے بنتا ہے۔ (شیل گلوبل، ''فنانشل رپورٹ ۲۰۰۵'')۔ اسی طرح آئی سی آئی پاکستان نے اپنی سرکاری ویب سائٹ (http://www.ici.com.pk) پر موجود دستاویزات کے مطابق، ۲٫۲۸ بلین روپے کے اپنے کل منافع میں سے صرف ایک کروڑ ۴۹ لاکھ روپے یعنی ۰٫۶۵ فی صد خیرات کی مد میں خرچ کیے۔

۴۲ : Networks for Consumer Protection, "Corporate Contributions."

۴۳ : UNCTAD, 2006

۴۴ : امریکا میں جراحی کے ذریعے ولادت کی شرح ۲۹ء۱ فی صد کی بلند ترین سطح تک پہنچ چکی ہے۔ برطانیہ میں پانچ میں سے ایک ولادت جراحی سے ہوتی ہے جبکہ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں یہ شرح تین فی صد سے بھی کم تھی۔ برازیل میں ولادت کے لیے جراحی کا طریقہ اتنا مقبول ہے کہ لطیفے کے طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ اس سے اسی صورت میں بچ سکتے ہیں کہ آپ کا ڈاکٹر ٹریفک جام میں پھنس جائے۔(Datta,"Birth Controlled", 68)

۴۵ : ایضاً

۴۶ : UNDP, "Overview", 8-11.

۴۷ : کوفی عنان اپنی ایک تقریر میں کہتے ہیں: اقوام متحدہ کبھی صرف حکومتوں سے معاملات کرتی تھی۔اب ہم جانتے ہیں کہ امن اور خوش حالی حکومتوں، بین الاقوامی تنظیموں، کاروباری برادری اور سول سوسائٹی کو شریک کیے بغیر ممکن نہیں۔ آج دنیا میں ہم ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔
Gell-Redman and Kang, "Plenty of Unfinished Business."

۴۸ : UNCTAD, "Multinational Corporations in Least Developed Countries

۴۹ : ایضاً

۵۰ : Yechury, "Bring Poor into the Market", 43.

۵۱ : Schroeder, "Wanted: A Stronger UN", 22.

۵۲ : Mandela, "Human Will is the Key," 26.

۵۳ : Current History, "Global Progress Report, 2006" 405

۵۴ : Schroede, op.cit